04.11.2019 ششماہی ثانی

الفن الاول علم المعانی

سوال نمبر 1: علم معانی کو علم بیان پر مقدم کیوں کیا؟ مع الدلیل وضاحت کریں۔

علم معانی کو اس لئے مقدم کیا کہ یہ علم بیان کے لئے اس طرح ہے جس طرح مفرد، مرکب کے لئے ہے۔ یعنی علم معانی مفرد اور بیان مرکب کی طرح ہوا۔

اس طرح کہ علم بیان میں دو چیزوں کا اعتبار ہوتا ہے۔

-1- ایک معنی کو مختلف طریقوں سے ادا کرنے کی رعایت کرنا اور

-2- کلام کو مقتضی الحال کے مطابق لانا۔ اس کی رعایت کرنا۔

جبکہ علم معانی میں محض کلام کو مقتضی الحال کے مطابقت کی رعایت ہوتی ہے۔ تو اس طرح علم معانی مفرد اور بیان مرکب ہوا۔

اور مفرد، مرکب پر طبعاً مقدم ہوتا ہے۔ تاکہ ذکر اور طبع میں موافقت ہو جائے۔ اس لئے مفرد و مرکب کے لحاظ سے علم معانی کو مقدم اور بیان کو مؤخر کیا۔

سوال نمبر 2: ماتن نے علم معانی کی تعریف اور اجمالاً اس کے ابواب کو کیوں بیان کیا؟

اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔

-1- اس لئے تاکہ اس علم کے حاصل کرنے والے کو

زیادہ بصیرت حاصل ہو جائے۔
کیوں کہ جب پہلے اس کی تعریف اور ابواب اجمالاً حاصل ہو جائیں گے
تو اسے زیادہ بصیرت حاصل ہو جائے گی۔
-2- یا پھر اس لئے کہ ہر علم ایسے کثیر مسائل پر مشتمل ہوتا ہے جن کو
ایک ہی جہت (تعریف) جمع کر رہی ہوتی ہے۔ اور اس ایک جہت کے
اعتبار سے وہ تمام مسائل ایک ہی علم شمار ہوتے ہیں۔
لہٰذا ایسے جو کثیر مسائل کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو کہ جن کو ایک
ہی جہت/تعریف اپنے احاطے میں لئے ہوئے ہو تو اس پر لازم ہے
کہ وہ پہلے ان کثیر مسائل کی تعریف کو جانے پھر مسائل حاصل کرے۔
کیوں کہ اگر تعریف ہی معلوم نہ ہوگی تو وہ اس چیز کو کیسے حاصل کر
سکے گا؟ وہ فضول چیزوں میں پڑ جائے گا۔

سوال نمبر3: علم معانی کی تعریف لکھیں۔

وَهُوَ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ أَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِي بِهَا يُطَابِقُ مُقْتَضَى الْحَالِ.

ترجمہ: وہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے عربی لفظ کے احوال
کو جانا جاتا ہے کہ جو مقتضی حال کے مطابق ہو۔

سوال نمبر ۲: علم سے کیا مراد ہے؟ مع الدلائل تحریر کریں۔

علم کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے۔

-1- وہ کیفیت کہ جو نفس میں پختہ ہو جائے۔

-2- مسائل مراد ہوتے ہیں -3- ملکہ مراد ہوتا ہے۔

یہاں پر علم سے مراد ملکہ ہے۔ دلیل نمبر 1

یعنی علم ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے مستقبل میں معلوم ہونے والی جزئیات پر وہ قادر ہوتا ہے۔

نیز اسے صناعت یعنی کاریگری بھی کہا جاتا ہے۔

وضاحت: اس فن بلاغت کو وضع کرنے والے نے چند اصول وضع کئے جو فصحا و بلغا کی تراکیب و عبارات میں غور و فکر کرنے سے اخذ کئے گئے۔ ان کو جاننے اور بار بار استعمال کرنے سے ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کے ذریعے بندہ قادر ہو جاتا ہے ان مسائل/اصول کو ذہن میں حاضر کرنے پر اور ان کی طرف توجہ اور تفصیل حاصل کرنے پر۔ جب اس علم کا ارادہ کیا جائے۔

اور اسی مہارت کو ہی ملکہ کہا جاتا ہے۔

دلیل نمبر 2 :

علم کا اطلاق ملکہ پر ہوتا ہے ۔ کیوں کہ علم اور حیوۃ دونوں ایک دوسرے کے مشابہہ ہیں ۔ گویا کہ دونوں ایک جیسے ہیں ۔
کیوں کہ ان کے درمیان وجہ مشابہت یہ ہے کہ دونوں ہی ادراک کا سبب بنتے ہیں ۔
اگر ہم علم سے ادراک مراد لیں تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ادراک، ادراک کا سبب ہے ۔ اور یہ درست نہیں ہے کہ ایک ہی چیز اپنے لئے سبب بنے ۔
تو واضح ہوا کہ علم سے مراد ملکہ ہے اور ملکہ ہی ادراک کا سبب ہے ۔

دلیل نمبر 3 :

جب تو یہ کہے کہ "فلانٌ یعلم النحو" تو تم اس سے یہ مراد نہیں لے سکتے کہ علم کے تمام مسائل اس کے ذہن میں موجود ہیں ۔
کیوں کہ تمام مسائل کا ہر وقت ذہن میں میں موجود ہونا ناممکن ہے ۔
بلکہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اس شخص کے ذہن میں ایک ایسی اجمالی حالت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے وہ جب چاہے نحو کے مسائل کو ذہن میں لا سکتا ہے ۔ تو اسی حالت کو ہی ملکہ کہتے ہیں ۔

علم کے متعلق دوسرا احتمال / مذہب :

علم سے مسائل، اصول و قواعد بھی مراد لے سکتے ہیں ۔
کیوں کہ ممکن ہے کئی دفعہ علم کا اطلاق اصول و قواعد پر بھی ہوتا ہے ۔
لیکن یہ مذہب کثیر ہے نہ کہ اکثیر ۔

سوال نمبر 5: علم اور معرفت میں فرق بیان کریں ۔

ان میں تین اعتبارات سے فرق ہے ۔

1- جب ہمیں جزئی یا بسیط کا علم ہو تو اس کے لئے ہم لفظ معرفت استعمال کریں گے ۔ اور جب مرکب یا قاعدہ کلیہ کا ادراک کریں گے تو اس کے لئے لفظ علم استعمال کریں گے ۔

مثال : اسی وجہ سے عَرَفتُ اللہ کہا جاتا ہے نہ کہ عَلِمتُ اللہ کہ اللہ پاک کی ذات بسیط ہے ۔ وگرنہ اس کی ذات کا مرکب ہونا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ۔

2- اسی طرح اس پر لفظ معرفت کا استعمال کریں گے کہ جس کا پہلے علم نہ ہو بعد میں اس کا ادراک ہو جائے ۔
لیکن علم کا معاملہ ایسا نہیں ۔

3- کسی چیز کا ادراک حاصل ہو جائے لیکن پھر وہ اس سے

بھول جائے تو اب اگر دوبارہ اس کا ادراک کرتا ہے تو اس کے لئے معروفت بولیں گے ۔

جب کہ علم دوسرے اور تیسرے دونوں اعتبارات سے خالی ہوتا ہے ۔

مثال : اسی لئے اللہ عالم کہتے ہیں نہ کہ اللہ عارف ۔ کہ عارف کی صورت میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ پہلے معلوم نہ تھا یا معاذ اللہ وہ بھول گیا تھا ۔

سوال نمبر 6 : تعریف میں ماتن نے یُعرف کیا یُعلم کیوں نہ کہا ؟

اس لئے کہ چونکہ یہ ایک ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعے جزئیات کا علم ہوتا ہے نہ کہ مرکبات کا ۔ تو جزئیات کے لئے لفظ معروفت بولا جاتا ہے نہ کہ علم کا لفظ ۔

سوال نمبر 7 : یعرف بہ احوال اللفظی العربي .... عبارت پر وارد ہونے والا اعتراض مع جواب لکھیں ۔

اعتراض (1) :

احوال سے تمام احوال مراد ہیں یا بعض احوال ؟

① اگر تمام احوال مراد ہوں کہ اس علم سے لفظ عربی کے تمام احوال کو جانا جاتا ہے تو یہ احتمال باطل ہے ۔ کیوں کہ تمام احوال غیر متناہی ہیں ۔ اور تمام غیر متناہی احوال کو جاننا محال ہے ۔

(٤) اگر بعض احوال مراد ہوں تو اب دو صورتیں بن گئیں ۔
کہ وہ بعض احوال معین ہیں یا غیر معین ؟ اگر غیر معین ہوں تو پھر
مجہول کے ساتھ تعریف کرنا لازم آئے گا ۔ اور مجہول سے تعریف کرنا
درست نہیں ۔ اور اگر معین مراد ہوں تو اس کے تعین پر کوئی دلالت
و قرینہ نہیں ہے ۔ تو یہ بھی مراد نہیں لے سکتے ۔

اعتراض (2)

معترض یہ اعتراض بھی وارد ہو سکتا ہے کہ اگر بعض احوال مراد ہوں تو
جو کوئی بھی علم معانی کا ایک حال بھی جان لے گا تو اسے بھی علم معانی کا عالم
کہنا پڑے گا ۔

جواب :

یہاں پر تمام احوال ہی مراد ہیں ۔ یعنی تمام احوال بالقوہ
معلوم ہو سکتے ہیں ۔ یعنی علم معانی ایسا ملکہ ہے کہ لفظ عربی کے جو بھی
احوال ہوں اس کے ہر ہر حال کو ہم اس علم کے ذریعے پہچان سکتے ہیں ۔
بالفعل تمام احوال کا معلوم ہونا مراد نہیں ۔
تو اس طرح غیر متناہی کے تمام احوال کو اس ملکہ سے پہچانا جا سکتا ہے

سوال نمبر 8 :- "التی بھا یطابق مقتضی الحال" یہ کون سی قید ہے؟ وضاحت کریں۔

یہ قید احترازی کے طور پر لائی گئی۔ اور یہ جملہ / قید یہ احوال کی صفت ہے۔
یعنی عربی لفظ کے ایسے احوال کو جانتے ہیں کہ جن کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
لفظ مقتضی الحال کے مطابق ہے یا نہیں۔
تو اس سے وہ تمام احوال نکل گئے کہ جن سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ لفظ مقتضی الحال کے
مطابق ہے یا نہیں۔

مثال : جیسا کہ علم صرف، علم نحو، علم بیان، محسنات بدیعہ
یعنی یہ حیثیت کے اعتبار سے قید ہے۔
اور اگر اس حیثیت کی قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر یہ بات لازم آئے گی کہ علم معانی
سے مراد محض ان احوال کی تعریف اور تصور کو جان لینا ہے۔ اگرچہ استعمال کرنا نہ
آتا ہو۔
حالانکہ یہ بات واضح طور پر فاسد ہے۔ کیوں کہ مقصود محض تعریف و تصور نہیں۔
بلکہ مقصود تصور کے ساتھ استعمال بھی ہے کہ معلوم ہو کہ لفظ کیسے مقتضی الحال کے مطابق
ہوتا ہے۔
تو اس وجہ سے قید لگائی حیثیت کی۔

فائدہ : کسی چیز کا معنی ذہن میں حاصل ہو جائے یا تعریف تو اسے تصور کہتے ہیں
اور اس کا استعمال کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اسے تصدیق کہتے ہیں۔

سوال نمبر 9: وبهذا يخرج علم البيان ... الخ عبارت میں مذکور اعتراض مع جواب تحریر کریں۔

اعتراض:

اگر حیثیت کی قید کا اعتبار کیا جائے پھر بھی علم بیان خارج نہ ہوگا۔ کیوں کہ علم بیان میں لفظ کے حقیقی و مجازی معنی اور کنایہ وغیرہ کے احوال کو جانا جاتا ہے۔ اور یہ بھی عربی کے احوال ہیں اور حال بعض اوقات ان کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ تو لفظ مقتضی حال کے مطابق ہوا۔ اور یہ داخل ہو گیا۔

جواب:

یہ عربی لفظ کے احوال تو ہیں مگر علم بیان میں بحث ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے ادا کرنے کے اعتبار سے کی جاتی ہے نہ کہ مقتضی حال کی مطابقت کے اعتبار سے۔ لہٰذا علم بیان خارج ہوگا نہ کہ داخل۔

سوال نمبر 10: فإن قلت إذا كان أحوال اللفظ ... الخ عبارت میں مذکور اعتراض و جواب لکھیں۔

اعتراض:

علم معانی کی تعریف میں غور کیا جائے تو اس میں تین چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ -1- احوال: یعنی تقدیم و تاخیر، حذف وغیرہ
ان کو سبب بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ مطابقت کا سبب بھی بنتے ہیں۔
اور ان کو مقتضی بھی کہتے ہیں۔

2 - مطابَق: یعنی مقتضی الحال - 3 - مطابِق: یعنی لفظ عربی

یہ تینوں ہی الگ الگ چیزیں ہیں -

لیکن مفتاح العلوم کی اس عبارت "کہ تاکید و ذکر و حذف کا مقتضی (حال وہ ہے جو) ہوتا ہے"

اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان کو مقتضی الحال بنایا گیا ہے - حالانکہ مصنف نے کہا

کہ یہ احوال ہیں - تو مطلب یہ ہوا کہ حال اور مقتضی الحال دونوں ایک ہی چیز ہیں -

حالانکہ الگ الگ ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں سبب و مطابَق ایک ہی چیز ہوئی - تو پھر

ماتن کی تعریف کیسے درست ہوگی ؟

جواب : نمبر 1

ان احوال (تاکید، ذکر، حذف وغیرہ) کو مجازاً مقتضی الحال کہا گیا ہے -

اور مجاز کا علاقہ سببیت یہاں پر پایا جا رہا ہے - کہ یہ احوال سبب ہیں - کہ ان

کے سبب کلام مقتضی الحال کے مطابق ہوتا ہے - تو مقتضی الحال مسبب ہوا -

تو سبب مراد لیا مجازاً - مسبب بول کر -

دوسرا جواب :

حقیقت میں حال اور مقتضی الحال دونوں الگ الگ ہیں -

یعنی مقتضی الحال وہ کلام کلی ہوتا ہے جو ایک مخصوص کیفیت سے متصف ہوتا ہے -

اور بقیہ خارج میں اس کی جزئیات ہوں گی -

تو پھر مقتضی الحال بھی کلام ہوگی کہ مؤکد ہوگا۔ کبھی وہ کلام ہوگا کہ جس میں مسند الیہ کو ذکر کیا گیا ہو۔ یا حذف کیا گیا ہو۔ وعلی ھذا القیاس۔ جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ

سوال نمبر 11: ومعنی مطابقۃ الکلام۔۔۔۔ اس میں وارد اعتراض مع جواب لکھیں۔

اعتراض:

آپ نے کہا کہ مقتضی الحال ایک کلام کلی ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ ان احوال کے سبب کلام مقتضی الحال کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی کلام، کلام کلی کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کا کیا معنی ہوگا؟

جواب:

پہلے کلام سے مراد کلام جزئی اور دوسرے سے مراد کلام کلی ہوگا۔ اور کلام جزئی وہ ہوتا ہے کہ حال جس کا تقاضا کر رہا ہو متکلم اس کے مطابق کلام لائے۔

اعتراض:

آپ نے کہا کہ علم معانی میں لفظ عربی کے احوال (معلوم) مراد ہوتے ہیں۔ جب کہ کبھی اس میں ذکر، حذف، اسناد وغیرہ کے احوال بھی معلوم ہوتے ہیں۔ تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا؟

جواب: یہ معانی (اسناد، ذکر وغیرہ) کے احوال در حقیقت جملے کے احوال ہی ہیں۔

کہ جملہ مؤکدہ، مسندالیہ وغیرہ ہوتا ہے۔ تو جملے کے واسطے سے یہ لفظِ عربی ہی کے احوال ہوئے

اعتراض:

آپ نے علم معانی کو لفظ عربی سے خاص کیا۔ حالانکہ اس میں غیر عربی کے احوال بھی معلوم ہوتے ہیں۔ تو عربی کے ساتھ تخصیص کیوں کی؟

جواب:

یہ قید محض اتفاقی ہے۔ کیونکہ یہ فن خاص طور پر لفظ عربی کو جاننے اس کے احوال کو جاننے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ تو اس لئے اس کی قید لگا دی۔ ورنہ یہ قید احترازی نہیں ہے۔

سوال نمبر 12: علامہ سکاکی نے علم المعانی کی کیا تعریف کی؟ نیز ماتن نے اس سے عدول کیوں کیا؟

تعریف: علم المعانی یہ ہے کہ کلام (بلغاء) کی تراکیب کے خواص و اغراض میں تتبع (غور و فکر) کرنا فائدہ دینے کے اعتبار سے۔ اور ان چیزوں کو جاننا جن سے استحسان متصل ہوتا ہے۔ تاکہ ان احوال کو جان کر حال جن کا مقتضی ہے کلام کو تطبیق دینے میں غلطی سے بچا جا سکے۔

مثال: جیسا کہ "اِنَّ زیداً قائمٌ" کہنا۔ کہ محض "زیدٌ قائمٌ" نہ کہا۔

عدول:

ماتن نے سکاکی کی تعریف کو دو وجوہات کی بنا پر چھوڑا۔

پہلی وجہ:

سکاکی کی تعریف میں لفظ "تتبع" آیا ہے۔ کہ جسے علم نہیں کیا جاتا۔

کیونکہ علم کے تین معانی ہیں :- 1- ادراک -2- ملکہ -3- مسائل

اور تتبع ان میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتا۔ تو یہ تعریف درست نہیں۔

دوسری وجہ:

① اگر تعریف کو لیا جائے تو اس سے دور لازم آتا ہے۔

اس طرح کہ سکاکی نے لفظ تراکیب استعمال کیا ہے اور مراد بلغاء کی تراکیب ہے۔ اور

بلغاء، بلیغ کی جمع ہے۔ اور مِن حیث البلیغ، بلیغ کا جاننا یہ بلاغت کے جاننے

پر موقوف ہے۔ تو نتیجہ نکلا کہ تراکیبِ بلغاء کا جاننا بلاغت کے جاننے پر موقوف ہے۔

② سکاکی نے بلاغت فی المتکلم کی تعریف میں بھی تراکیب کا لفظ استعمال کیا ہے۔

" کہ معنی تو ادا کرنے میں متکلم ایسی حد کو پہنچ جاتا ہے کہ جسے خصوصیت حاصل

ہو تراکیب کے خواص، اغراض کو اس کا پورا حق دینے کی اور تشبیہ

کنایہ، مجاز وغیرہ کی اقسام کو اس کی مناسب جگہ دینا "۔

اس تراکیب میں بھی تراکیبِ بلغاء مراد لیا ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ بلاغت کا جاننا

تراکیبِ بلغاء پر موقوف ہے۔

پہلا اور دوسرا نتیجہ دیکھیں تو دور لازم آرہا ہے۔ اسی لئے عدول کیا۔

اگر تراکیب سے مراد کچھ اور لیں تو تعریف بالمجہول لازم آئے گی۔ کیوں کہ سکاکی نے اس کو بیان نہیں کیا۔

سکاکی کی طرف سے جواب:

(1) تتبع سے مراد علم ہی ہے۔ کہ مجازاً تتبع ملزوم ہے اور علم معرفت پہ لازم ہے تو بیان ملزوم ہوا کہ لازم مراد لیا ہے۔

علامہ سکاکی پر اعتراض:

آپ نے تعریف میں مجاز ذکر کیا – اور مجاز سے تعریف کرنا درست نہیں ہے۔

جواب: اس لئے کیا کہ علم المعانی کا علم اسے کہا جائے گا جو تراکیب بلغا میں تتبع کر کے حاصل ہوا کرے۔ لہٰذا جو اہلِ عرب اپنی طبیعت وغیرہ سے بغیر تتبع کے علم معانی کو جان لیں تو ان کو علم معانی کا عالم نہ کہا جائے گا۔

نیز مجاز استعمال کرنا کوئی جرم بھی نہیں ہے۔

(2) اگر یہ بات مان لی جائے کہ تراکیب بلغاء ہی مراد ہے تو پھر اس سے مراد ان بلغا کی تراکیب ہیں کہ جو بلاغت سے متصف ہوتے ہیں۔

اور ایسے لوگوں کا تراکیب بلغا کو جاننا یا علم معانی کو جاننا یہ بلاغت کے حد کو جاننے پر موقوف نہیں۔

کیوں کہ بلاغت کی تعریف کو جانے بغیر بھی تراکیب بلغا کی معرفت ہو سکتی ہے۔

عرف عام کی وجہ سے۔

مثال: جیساکہ امرؤ القیس ایک فصیح و بلیغ شخص ہے۔ تو اگرچہ اسے بلاغت

کے مذکورہ معانی کا تصور نہ ہوگا لیکن پھر بھی وہ اس کی تراکیب کے خواص میں

اتباع کرے گا۔ جیساکہ عوام میں سے ہر ایک کے لیے ممکن ہے کہ وہ شہر کے فقہا کی

معرفت حاصل کریں پھر ان کے اقوال کی پیروی کریں۔ اس کو جانے بغیر کہ

فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کا علم ہے جسے اس کے ادلہ تفصیلیہ سے حاصل کیا

جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔

دوسرے اعتراض کا سکاکی کی طرف سے دوسرا جواب:

یہاں تراکیب سے مراد تراکیب متکلم ہے۔ تو اس سے نہ دور لازم آئے گا اور نہ

ہی تعریف بالمجہول۔

دلیل ۲: امام سکاکی کا یہ قول کہ "تراکیب کے خواص و اغراض کو ان کا پورا

پورا حق دیا جائے"۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ متکلم اپنی ہر ترکیب کو

اسی جگہ پر لائے جو اس کے مناسب ہو۔

مثال: جیساکہ جب مخاطب مُنکِر یا متردّد ہو تو تاکید لائے۔

انَّ زیدا قائم، واللّٰہ انہ لقائم، زیدا ضربتُ وغیرہ۔

دلیل نمبر ۲: کلام کو مقتضی الحال کے مطابق لانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ متکلم ہر ترکیب کو اس کی مناسب جگہ لائے۔ یعنی متکلم اپنے ہر کلام (ترکیب) کو مقتضی الحال کے مطابق لائے۔ اور ماتن کی تعریف سے بھی یہی مراد ہے

مثال: جیسا کہ "فی تأدیۃ المعانی" سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے اور "وایراد انواع التشبیہ والمجاز والکنایۃ علی وجہھا" سے بھی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بلغاء کی تشبیہات اور مجازات کو اسی صورت پر لائے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ متکلم ایسا کلام لائے کہ جہاں تشبیہ کا مقام ہو وہاں اسے ذکر کرے۔ جہاں مجاز، کنایہ وغیرہ کا ہو تو اسے ذکر کرے۔

یہی اچھی عنایت ہے اور مصنف پر واضح نہ ہوئی۔

زیادہ واضح تعریف:

شارح کہتے ہیں کہ زیادہ واضح تعریف یہ تھی کہ ماتن یوں کہتے۔

"علم المعانی ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعے کلام عربی کا مقتضی الحال کے مطابق ہونے کی کیفیت کو جانا جاتا ہے۔

سوال نمبر 13: علم معانی کے کتنے اور کون سے ابواب ہیں؟ نیز انہی ابواب میں منحصر کیوں کیا؟

علم معانی کے آٹھ ابواب ہیں۔

-1. احوال الاسناد الخبری -2. احوال مسند الیہ -3. احوال مسند

4- احوال متعلقات فعل 5- قصر 6- انشاء 7- فصل و وصل

8- ایجاز و اطناب و مساوات

اعتراض: آٹھ ابواب میں منحصر کرنے پر۔

ماتن کا علم معانی کو آٹھ ابواب میں منحصر کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ ماتن نے علم المعانی سے پہلے تعریف، وجہ حصر اور آنے والی تنبیہ کو بھی بیان کیا۔ تو پھر حصر کرنا کیسے درست ہوگا؟ ان کو ذکر کئے بغیر۔

جواب:

علم المعانی میں دو چیزیں ہیں۔ 1- جو مقصود ہیں (جیسے آٹھ ابواب)

2- جو مقصود نہیں ہیں (یہ تینوں چیزیں)

تو علم المعانی سے مراد مقصود ہے کہ مقصود صرف آٹھ ابواب ہیں۔

فائدہ:

حصر کی دو اقسام ہیں 1- حصر کُل 2- حصر کُلّی

حصر کُل: یعنی ایک شے کے کئی اجزاء ہوں اور جب وہ تمام اجزاء خارج میں پائے جائیں تو اس شے کا وجود پایا جائے۔

تین چیزیں معلوم ہوئیں۔ (1) اس شے کو کُل کا نام دیں گے۔ (2) کل اپنے وجود میں تمام اجزاء کا محتاج ہوتا ہے۔ (3) کسی ایک جزء پر کل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

حصرِ کلی: یعنی جو اپنے ہر ہر جزء پر صادق آئے۔
ہو سکتا ہے۔ اور کلی اپنے وجود میں تمام ج

سوال نمبر 14: یہاں پر انحصار سے مراد کون سا انحصار ہے؟

یہاں پر انحصار کلی مراد ہے۔ یعنی کل ما ا
یہ البسی ہی یہ آٹھ ابواب میں منحصر ہے۔
اگر کلی کے انحصار کی طرح ما نیں تو پھر ہر باب
جو کوئی اس کا ایک باب جان لے گا اسے بھی عل
جو کہ درست نہیں۔

سوال نمبر 15: ماتن نے کلام کی تقسیم خبر و انشأ ہی کی طرف کیوں

ماتن نے اس لئے ان کی طرف تقسیم کی
نسبت تامہ پر مشتمل ہوتا ہے / دلالت
مسند الیہ و مسند کے درمیان ہوتی ہے۔ ا
کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔
اور اس مقام پر نسبت تامہ کی وقوع نسبت
تعریف کرنا غلط ہوگا۔
وجہ: کیوں کہ یہ تعریفات محض نسبت خبر

نسبت انشائیہ کو۔

تو بیان پر جو نسبت مراد ہے وہ کلام کے دو اجزاء میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ جس پر خاموشی درست ہو۔ چاہیے وہ ایجابی ہو یا سلبی ہو یا ان کے علاوہ انشائیات میں سے ہو۔

نسبت تامہ کی اقسام:

اس کی تین اقسام ہیں۔

1۔ نسبت کلامیہ: اگر مسند الیہ اور مسند ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے کی طرف نسبت کلام سے سمجھی جا رہی ہو۔ تو نسبت کلامیہ ہوگی۔

2۔ نسبت خارجیہ:

اور اگر یہ نسبت خارج/نفس الامر میں بھی پائی جائے تو نسبت خارجیہ ہوگی۔

3۔ نسبت ذھنیہ: اور اگر محض ذھن میں سمجھی جا رہی ہو تو وہ نسبت ذھنیہ ہوگی۔

تمام ابواب کی وجہ حصر بیان کریں۔

کلام یا تو خبر ہوگا یا انشاء ہوگا۔ کیوں کہ اگر نسبت کلامیہ کے لئے نسبت خارجیہ ہو تو پھر دو صورتیں ہوں گیں۔

وہ نسبت کلامیہ خارجیہ کے مطابق ہوگی۔ یعنی دونوں نسبتیں ثبوتی ہوں گی یا سلبی ہوں گی۔

یا مطابق نہ ہوگی۔ یعنی کوئی ایک ثبوتی اور ایک سلبی ہوگی۔ اور یہ صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے۔

اور اگر نسبت کلامیہ کیلئے نسبت خارجیہ نہ ہو تو کلام انشا ہوگا۔ ①

یہ ایک باب ہوا۔

اور خبر کیلئے مسند الیہ ②، مسند ③ اور اسناد ④ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ تین ابواب ہوئے۔

اور مسند کے لئے متعلقات بھی ہوتے ہیں۔ جب کہ مسند فعل ہو یا فعل کے معنی میں ہو۔ تو یہ احوال متعلقات فعل ⑤ کا باب ہوا۔

اعتراض تخصیص خبر پر۔ ماتن پر اعتراض۔

آپ نے ان چیزوں کو خبر ہی کے ساتھ خاص کیوں کیا؟ حالانکہ یہ تو انشا میں بھی پائی جاتی ہے۔ تو یہ تخصیص درست نہیں ہے۔

جواب:

یہ تخصیص اس لئے کی کہ خبر کا استعمال کثیر ہوتا ہے یا اصل کے اعتبار سے کہ اصل خبر ہوتی ہے پھر اسی سے انشا بنتا ہے۔ یا پھر خبر کے لطائف کی کثرت کی وجہ سے۔

اسناد اور تعلق میں سے ہر ایک یا تو قصر (حصر) کے ساتھ ہوگا (6)
یا اس کے بغیر ہوگا۔ بصورت اوّل قصر۔
ہر جملہ دوسرے جملے کے ساتھ ملا ہوا ہوگا اس طرح کہ یا تو ایک کا
دوسرے پر عطف ہوگا یا نہیں ہوگا۔ تو یہ فصل و وصل کا باب ہوا۔ (7)
اور کلام بلیغ اصل مراد پر یا تو کسی فائدے کے سبب زائد ہوگا یا
نہیں ہوگا تو یہ ایجاز، اطناب اور مساواۃ کا باب ہوا۔ (8)

سوال نمبر 17: ماتن نے کلام بلیغ میں فائدہ کی قید کیوں لگائی؟ نیز اس پر شارح کا اعتراض بھی لکھیں۔

ماتن نے کہا کہ کلام بلیغ اصل مراد پر کسی فائدہ کی وجہ سے زائد ہوتا ہے۔
تو اس قید سے تطویل کو نکال دیا۔
لیکن شارح اعتراض کرتے ہیں کہ جب کلام کو بلیغ کے ساتھ مقید کر دیا
تو اب اس قید کی حاجت نہ تھی۔ کیوں کہ کلام بلیغ کہتے ہی اسے ہیں کہ جس
میں کوئی بھی زیادتی بغیر فائدے کے نہ ہو۔ کیوں کہ اگر بلا فائدہ زیادتی
ہوگی تو وہ کلام، کلام بلیغ ہی نہ ہوگا۔ لہذا یہ قید لگانا فضول ہے۔

سوال نمبر 18: علم معانی کے آٹھ ابواب بنانے پر شارح کا اعتراض تحریر کریں۔

ماتن نے جو وجہ حصر ذکر کی تو یہ بالکل واضح ہے۔ اس کے تحت کوئی خزانہ
چھپا ہوا نہیں ہے۔

کیوں کہ یہ ابواب بنانا، فصل و وصل اور ایجاز، اطناب و مساواۃ وغیرہ یہ سب

جملہ ہی کے احوال ہیں اور یہ احوال مسند الیہ، مسند، اسناد خبری کے تحت ہی آتے ہیں

تو ان کو اگر الگ بیان کیا ہے تو ان میں سے ہر ایک کی وجہ بیان کرتے حالانکہ ان

کو الگ باب کس وجہ سے بنایا۔

اور اگر ایسا ہے تو جیسے قصر وغیرہ کو الگ باب بنایا ہے تو اسی طرح تقدیم و

تاخیر، ذکر و حذف، تعریف و تنکیر وغیرہ کو الگ باب کیوں نہیں بنایا؟

لہذا یہ ابواب بنانا بھی فضول ہے۔

سوال نمبر 19: وجہ حصر میں حصر سے مراد کونسا حصر ہے؟ حصر کی اقسام بھی واضح کریں۔

حصر کی چار اقسام ہوتی ہیں۔ جن میں سے ایک حصر عقلی ہے۔

حصر عقلی: نفی اور اثبات کے درمیان تردید کے ساتھ حصر بیان کرنا۔

مثال: جیسا کہ یوں کہنا کہ "لفظ مستقل طور پر دلالت کرے گا یا نہیں۔

اسے حصر قطعی بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ جو چیزیں بیان کی گئی ہوں تو ان کا

علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔

تو جس نے حصر عقلی بیان کیا علم المعانی کا تو مطلب یہ ہوا کہ ان آٹھ احوال

کے علاوہ علم المعانی کے کوئی اور احوال مراد نہیں ہو سکتے۔ اور یہ بات بالکل

باطل ہے۔ کیوں کہ دیگر احوال تقدیم و تاخیر وغیرہ بھی ہیں۔

سوال نمبر 2: شارح علامہ تفتازانی نے وجہ حصر کیا بیان کی ؟

زیادہ قریب یوں بیان کرنا تھا کہ لفظ یا تو مفرد ہوگا یا جملہ ہوگا۔

(1) تو اگر جملہ ہوگا تو یہ جملے کے احوال یعنی احوال اسناد خبری ہوں گے۔ تو یہ ایک باب ہوا۔ اگر لفظ مفرد ہوگا تو یا تو وہ عمدہ ہوگا یا فضلہ (متعلقات فعل) ہوگا۔ اگر فضلہ ہوگا تو احوال متعلقات (2) فعل کا ایک باب ہوا۔ اگر عمدہ ہوگا تو پھر دو صورتیں ہوں گیں۔ یا مسند الیہ (3) ہوگا یا مسند (4) ہوگا۔ تو یہ دو باب ہو گئے۔

مفرد کے تین باب بنانے کی وجہ:

مفرد کے تین باب اس لئے بنائے تاکہ فضلہ اور عمدہ اور عمدہ کی دونوں اقسام میں فرق ہو جائے۔

پھر کچھ ایسے احوال ہوتے ہیں کہ جن میں زیادہ پیچیدگی ہوتی ہے۔ اور زیادہ ابحاث ہوتی ہیں۔ اور طریقے بھی مختلف۔ تو یہ احوال قصر کے احوال کہلاتے ہیں۔ تو ایک قصر (5) کا باب ہو گیا۔

اسی طرح جملے کے بھی کچھ احوال وہ ہیں کہ جن کی عظمت زیادہ ہے۔ اور علمأ بلاغت ان پر زیادہ توجہ دیتے اور اہتمام کرتے ہیں۔ وہ فصل و وصل (6) کے ابواب ہیں۔ تو ایک باب یہ ہوا۔

اور جو زیادہ اہم نہیں ان کو احوال اسناد خبری میں ہی رکھا۔

اور کچھ احوال نہ تو مفرد کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اور نہ ہی مرکب کے
ساتھ۔ بلکہ دونوں میں جاری ہوتے ہیں۔ اور ان کی وضاحت اور کثیر
(٦) تفریعات ہوتی ہیں۔ تو اسے ایک باب بنادیا گیا۔ ایجاز، اطناب اور مساواۃ کا
اور ان تمام احوال میں خبر اور انشاء مشترک ہوتی ہے۔ اور کثیر ابحاث
(٨) یہاں پر انشاء ہی کی طرف لوٹتی ہیں محض تو اسے انشاء تو ایک باب بنادیا۔

سوال نمبر 21: احوال القصر، احوال الفصل والوصل کیوں نہیں کیا؟

اس لئے نہ کیا کہ قصر اور فصل ووصل یہ خود حال ہیں۔ اور حال
کا حال نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسا نہیں کیا۔

سوال نمبر 22: تنبیہ کا لغوی و اصطلاحی معنی لکھیں۔ نیز اس بحث کا نام تنبیہ کیوں رکھا؟

لغوی معنی: غافل کو جگانا۔

اصطلاحی معنی: بعد میں آنے والے اس تفصیلی کلام کا نام ہے کہ جس کی
طرف پہلے اجمالاً اشارہ ہو چکا ہو۔

وجہ تسمیہ: ماتن کے قول "تُطَابِقُهُ أَوْ لَا تُطَابِقُهُ" میں صدق وکذب
کا اجمالاً ذکر گزر چکا تھا۔ تو اب چونکہ اس کی تفصیل کی جارہی ہے
تو اس لئے اس کا نام تنبیہ رکھ دیا۔

سوال نمبر 23: خبر کی مشہور تعریف لکھیں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ ماتن نے اس تعریف سے عدول کیوں کیا

مشہور تعریف یہ تھی کہ خبر وہ ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھے۔

وجہ عدول: مشہور تعریف میں دور لازم آتا ہے۔

یعنی خبر وہ ہے کہ جو صدق و کذب کا احتمال رکھے۔ تو خبر کا سمجھنا صدق و

کذب پر موقوف ہوا۔

اور صدق کا مطلب یہ ہے کہ واقع کے مطابق کسی شئ کی خبر دینا۔ تو صدق

کا سمجھنا خبر پر موقوف ہوا۔

تو نتیجہ نکلا کہ دونوں کا سمجھنا ایک دوسرے پر موقوف ہے۔ تو یہ دور ہو گیا۔

سوال نمبر 24: شارح کا "دور" پر اعتراض اور جواب لکھیں۔

شارح کہتے ہیں کہ دور لازم نہیں آتا۔

جواب نمبر 1: آپ نے جو خبر کی تعریف کی تھی کہ "خبر سے مراد الساکلام ہے کہ

نسبت خارجیہ کے مطابق ہونا یا نہ ہونا ہو جس میں۔

اور مراد کلام مخبر بہ ہے۔ جیسے زید قائم

اسی طرح مشہور تعریف میں بھی کلام مخبر بہ ہی مراد ہے۔ جب کہ صدق کی

تعریف میں جو لفظ خبر آیا ہے یہ خبر، اخبار کے معنی میں ہے۔ تو اب

جہتیں بدل گئیں۔ لہذا دور لازم نہ آئے گا۔

جواب نمبر 2: صدق وکذب دونوں ہی کبھی کلام کی اور کبھی متکلم کی
صفت بنتے ہیں۔ اب خبر کی مشہور تعریف میں لفظ صدق وکذب یہ
کلام کی صفت بن رہے ہیں۔ یعنی کلام کبھی سچا ہوتا ہے کبھی جھوٹا۔
اور صدق کی تعریف میں لفظ صدق متکلم کی صفت بن رہا ہے۔ یعنی
متکلم کبھی سچا/جھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ دور صدق کی وجہ سے آرہا ہے۔
اور خبر کی تعریف میں خبر کلام کی صفت بن رہا ہے۔ جبکہ صدق کی تعریف میں
لفظ خبر، متکلم کی صفت ہے۔ تو جب حیثیتیں بدل گئیں تو اب دور لازم نہیں
آتا۔

سوال نمبر 25: خبر، صدق اور کذب میں منحصر ہے یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے۔ جمہور اور نظام معتزلی کے نزدیک منحصر ہے۔
یعنی ان دونوں کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے۔ جبکہ
جاحظ معتزلی کے نزدیک منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ایک تیسری قسم بھی ہے۔
کہ جو "لا صدق ولا کذب" ہے۔

سوال نمبر 25: جمہور نے صدق اور کذب خبر کی کیا تعریف کی؟

صِدْقُ الْخَبَرِ مُطَابَقَتُهُ لِلْوَاقِعِ وَكِذْبُهُ عَدَمُهَا.

ترجمہ: صدق خبر یہ ہے کہ خبر کا واقع کے مطابق ہونا۔ اور کذب خبر یہ ہے کہ خبر

کا واقع کے مطابق نہ ہونا۔

سوال نمبر 26:- مطابقة حکمہ... شارح نے لفظ حکم کو محذوف کیوں مانا؟

① صدق وکذب کے ساتھ حکم کا تعلق اوّلاً اور بلا واسطہ ہوتا ہے۔ اور صدق وکذب کے ساتھ خبر کا تعلق حکم کے واسطے سے ہوتا ہے۔

② خبر لفظ ہوتا ہے اور لفظ مطابقت اور عدم مطابقت کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔

اور حکم سے مراد نسبت کلامیہ ہے اور یہ خارجیہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اور واقع، نفس الامر اور خارج تینوں مترادف ہیں۔

سوال نمبر 27: نسبت خارجیہ کو ثابت کریں۔

کلام دو چیزوں یعنی محکوم علیہ و محکوم بہ کے درمیان واقع ہونے والی نسبت پر دلالت کرتا ہے یا ثبوت کے ساتھ یا نفی کے ساتھ۔ اور ان دونوں چیزوں کے درمیان نسبت ذہنیہ اور کلامیہ تو پائی جاتی ہے مگر ایک تیسری نسبت کا پایا جانا بھی ضروری ہے جو کہ خارج میں ہونے یا نہ ہونے پر دلالت کرے اور وہ نسبت خارجیہ ہے۔

پھر نسبت ثبوتی ہوگی یا سلبی۔ اور یہ نسبت ذہنیہ، کلامیہ، خارجیہ کے مطابق ہوگی۔ یعنی دونوں ثبوتی یا دونوں سلبی ہوں گی۔ یا پھر مطابق نہ ہوگی۔

یعنی ایک ثبوتی اور ایک سلبی ۔ تو پھر بصورت اول صدق ہوگا اور بصورت ثانی کذب ہوگا۔

اور یہی معنی ہے کلام کا واقع، نفس الامر اور خارج کے مطابق ہونے کا۔

سوال نمبر 28:- فاذا قلت: اَبِیْعُ .... صدق و کذب کی خبر سے تخصیص کرنے پر اعتراض وجواب لکھیں۔

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ صدق و کذب کو خبر کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے ۔ کیوں کہ یہ دونوں انشا میں بھی آتے ہیں۔

مثال:۔ جیسا کہ اگر تو کہے "بِعْتُ" تو اب خارج میں بھی اگر بیع پائی گئی تو صدق وگرنہ کذب ہو جائے گا ۔ لہذا تخصیص درست نہیں۔

جواب :

خبر اور انشا میں فرق ہے ۔ اس لئے صدق و کذب دونوں کے ساتھ نہیں آتے ۔ کیوں کہ اگر کوئی "اَبِیْعُ" کہے کہ حال میں وہ بیچنا چاہتا ہو تو اب کسی چیز کا خارج کے مطابق ہونا ضروری ہوگا ۔ تو پھر خارج میں بیع حاصل ہوگی تو صدق وگرنہ کذب ۔

مگر "بعت" سے محض اس بات کو بتانا ہے کہ خبر کا وجود ہوا ۔ یعنی غیر موجود چیز کے وجود کو بتانا مقصود ہے ۔ ایجاد پر دال ہے ۔ اور خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے ۔ اس لئے محض انشا کے ساتھ خاص کیا۔

سوال نمبر 29: نسبت خارجیہ خارج میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اعتراض مع جواب لکھیں۔

اعتراض:

آپ نے کہا کہ نسبت خارجیہ، خارج میں پائی جاتی ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امورِ اعتباریہ میں سے ہے۔ اور اس کا خارج میں وجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا نسبت خارجیہ کا بھی خارج میں وجود نہیں ہوگا۔

جواب:

اصل میں نسبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ (1) نفسِ نسبت (2) اور وجودِ نسبت۔ اب خارج میں نفسِ نسبت تو پائی جاتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کا وجود بھی پایا جائے۔

لہٰذا یہاں پر نفسِ نسبت مراد ہے نہ کہ وجودِ نسبت۔ جو کہ خارج میں ہوتی ہے۔

سوال نمبر 30: صدقِ خبر اور کذبِ خبر کی تعریف نظام معتزلی نے کیا کی ہے؟

خبر کا مُخبِر کے اعتقاد کے مطابق ہونا صدقِ خبر ہے اگرچہ اعتقاد غلط ہو یعنی واقع کے مطابق نہ ہو۔

اور کذبِ خبر مُخبِر کے اعتقاد کے مطابق خبر کا نہ ہونا ہے اگرچہ وہ خطا پر ہو۔

مثال: جیسا کہ کوئی کہے "اَلسَّمَاءُ تَحْتَنَا" اگر اس کا یہی اعتقاد ہے تو صدق اور "اَلسَّمَاءُ فَوْقَنَا" کہے لیکن اس کا اعتقاد نہ ہو تو کذب خبر ہو گا۔

دو فائدے - فائدہ نمبر 1:

نسبت تامہ کا علم ہو اور جانب مخالف کو عقل بالکل جائز قرار نہ دے تو اسے جزم اور علم کہتے ہیں - اور جب جزم واقع کے مطابق بھی ہو۔ لیکن شک کی وجہ سے زائل ہو سکتا ہو تو اسے اعتقاد مشہور اور تقلید مشہور کہتے ہیں۔ اگر جزم واقع کے مطابق نہ ہو اور شک کو بھی قبول نہ کرے تو اسے جہل مرکب کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2:

نسبت تامہ کا علم ہو اور جانب مخالف کو عقل جائز قرار دے تو اب اس کی دو صورتیں ہوں گیں - 1- جانب راجح کو ظن اور جانب مرجوح کو وھم کہیں گے۔ 2۔ اگر جانبین برابر ہوں تو شک کہیں گے۔

س 31: نظام معتزلی کی تعریف پر وارد ہونے والا اعتراض مع جواب لکھیں۔

نظام نے تعریف میں جو اعتقاد کہا تو اس سے مراد اعتقاد مشہور ہے تو اس سے جزم، علم، وھم اور ظن خارج ہو جائیں گے۔ تو اب ان کو نہ صدق کہیں گے نہ ہی کذب۔ تو صدق و کذب کے درمیان واسطہ آگیا۔

حالانکہ نظام واسطے کا قائل نہیں۔

جواب:

اعتقاد سے مراد حکم ذہنی ہے اور یہ عام ہے چاہے وہ جازم ہو یا جانب راجح ہو۔ لہذا اعتقاد سب کو شامل ہو جائے گا۔

دوسرا اعتراض:

شک میں اعتقاد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ شک میں طرفین برابر ہوتے ہیں۔ جب اعتقاد نہیں تو اب خبر کو نہ صادق کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی کاذب۔ تو اب بھی واسطہ آگیا۔

جواب۔

جب شک میں اعتقاد ہی نہیں ہوتا تو خبر اعتقاد کے مطابق ہی نہیں ہوگی۔ تو شک والی خبر کاذب ہو گئی۔

دوسرا جواب: مشکوک خبر ہی نہیں ہوتی کہ اسے سچا یا جھوٹا کہا جا سکے۔ لہذا پھر واسطہ بھی ثابت نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس کے ساتھ نہ تو حکم ہوتا ہے اور نہ ہی تصدیق۔ بلکہ وہ محض تصور ہوتا ہے۔

اس جواب پر اعتراض/رد:

یہ بات نہ کہی جائے۔ کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ مشکوک بھی

خبر ہوتی ہے۔ اور شک کرنے والے کے لئے جو حکم اور تصدیق نہیں ہوتی
وہ اس معنی پر نہیں ہوتے کہ وہ وقوع نسبت یا لا وقوع نسبت کو نہیں جانتا۔
اور اس کا ذہن نفی و اثبات پر حکم نہیں لگاتا۔
لیکن جب وہ جملہ خبریہ کا تلفظ کرتا ہے "مثلاً زید فی الدار" ہی کہتا ہے۔
اگرچہ شک کے ساتھ ہی کرے پھر بھی یہ جملہ خبریہ ہی ہوگا۔
بلکہ جب اسے یقین ہو کہ زید گھر پر نہیں اور پھر بھی کہے کہ "زید فی الدار"
پھر بھی اس کا کلام جملہ خبریہ ہی ہوگا۔

نظام کے مذہب پر دلیل دیں اور اس کا رد بھی کریں۔:

دلیل یہ دی کہ منافقین نے کہا "إنک لرسول اللہ" آیت مبارکہ "إذا جاءک.....الخ"
تو اللہ پاک نے فرمایا "إن المنفقین لکذبون"
اس مثال میں اللہ پاک نے منافقین پر حکم لگایا کہ وہ اپنے اس قول کہ
"إنک لرسول اللہ" میں جھوٹے ہیں۔ حالانکہ یہ واقع کے مطابق ہے۔ مگر
ان کا یہ اعتقاد نہیں تھا تو اس لئے ان کو جھوٹا قرار دیا۔ اور اگر واقع
کی مطابقت والی تعریف مراد ہوتی تو پھر ان کو جھوٹا نہ کیا جاتا۔

اس کا رد: نمبر 1۔

اللہ پاک نے منافقین کو "انک لرسول اللہ" میں جھوٹا قرار نہیں دیا۔

بلکہ شہادت یعنی گواہی دینے میں جھوٹا قرار دیا ہے۔

اعتراض:

شہادت تو انشاء کی قبیل سے ہے۔ اور یہ صدق و کذب کا احتمال نہیں رکھتی۔ تو پھر شہادت میں جھوٹا ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:

یہاں پر مراد یہ ہے کہ منافقین، شہادت کے اندر موافقت کا دعویٰ کرنے میں جھوٹے ہیں۔

رد: تکذیب منافقین کے قول "نشہد" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کیوں کہ شہادت ایسی خبر کاذب کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے جو کہ واقع کے مطابق نہیں ہے۔

خبر کاذب اس طرح ہے کہ منافقین نے "انک لرسول اللہ" جملے کو اِنَّ، لام تاکید اور جملہ اسمیہ سے مؤکد کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہماری شہادت دل کی گہرائیوں اور خلوص اعتقاد سے ہے۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ گواہی واقع کے مطابق نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں

ہوتا تھا۔ تو پھر یہ گواہی دینے میں جھوٹے ہو گئے۔

بعض کا رد:

بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ تکذیب بلاواسطہ شہادت
کی طرف لوٹے گی۔ کسی تاویل کی حاجت نہیں ہے۔
کیوں کہ شہادت خود ایسی خبر ہے جو واقع کے مطابق نہیں ہے۔

ان کا جواب:

اس جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
کیوں کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شہادت خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ
انشاء ہوتی ہے۔

بقیہ دوسری کاپی پر

Date: 18-01-2020

نظام کا دوسرا رد:

اللہ پاک نے ان کو اس خبر کا شہادت نام رکھنے میں جھوٹا کیا ہے۔ نہ کہ "انک لرسول اللہ" میں جھوٹا کیا۔
کیوں کہ شہادت میں موافقت شرط ہوتی ہے۔ یعنی شہادت وہ ہوتی ہے جو متکلم کے اعتقاد کے مطابق ہو۔
جب کہ ان کی یہ شہادت ان کے اعتقاد کے مطابق ہی نہیں تھی۔ تو لہذا یہ نام رکھنے میں جھوٹے ہوئے۔

سوال نمبر 33: شارح کی اس جواب میں نظر وارد کریں۔

آپ کا یہ کہنا کہ شہادت میں موافقت شرط ہوتی ہے۔ اور دل و زبان کا موافق ہونا ضروری ہے۔ اور جس میں موافقت نہ ہو تو اسے شہادت کا نام دینا جھوٹ ہے۔ اس میں اعتراض ہے۔
کیوں کہ اس مثل کی غلطی ہوئی ہے نہ کہ جھوٹ۔ کیوں کہ ایک شئ کو دوسری شئ کا نام دینا خبر کے باب سے نہیں ہے۔

Date: 18-01-2020

اگر تسلیم کر بھی لیں کہ خبر کی قبیل سے ہے۔ تو پھر بھی مطلق شہادت میں موافقت کی شرط لگانا ممنوع ہے۔

تیسرا رد:

ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ منافقین کو مشہود بہ یعنی "انک لرسول اللہ" میں جھوٹا قرار دیا ہے۔ لیکن اس وجہ سے جھوٹا قرار نہیں دیا کہ واقع/حقیقت میں یہ خبر واقع کے مطابق نہیں تھی۔ بلکہ اس وجہ سے جھوٹا قرار دیا کہ ان کے گمانِ فاسد اور اعتقاد باطل میں یہ خبر نہیں تھی۔
کیوں کہ وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ واقع کے مطابق نہیں لیکن پھر بھی وہ کہ رہے تھے تو یہ جھوٹ ہوئی۔
لیکن حقیقت میں یہ خبر خارج کے مطابق ہے۔ کیوں کہ خارج میں مطابقت پائی جا رہی ہے۔ تو اس اعتبار سے یہ خبر سچی ہوئی۔

اعتراض: آپ کے اس جواب سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے

Date: 18-01-2020

کہ آپ بھی نظام معتزلی کے مذہب کو مانتے ہیں۔

جواب:

دراصل دو چیزیں ہوتی ہیں۔

-1- خبر کا اعتقاد کے مطابق نہ ہونا۔

-2- گمان اور اعتقاد میں خبر واقع کے مطابق نہ ہو۔
یعنی گمان میں یہ ہو کہ یہ خبر واقع کے مطابق نہیں۔ مگر پھر بھی یہ کہنا کہ "انک لرسول اللہ" تو یہ کذب ہوا۔
تو ہم نے دوسرے معنی کے اعتبار سے ان کو جھوٹا قرار دیا۔
تو دونوں معنوں میں بہت فرق ہے۔

یہ جواب دو ہیں یا تین یا ایک؟ اس میں اختلاف تحریر کریں۔

محققین کا مذہب:

نظام کے استدلال کے دو جواب ہیں۔

-1- علی سبیل الانکار = پھر اس منع کو پختہ کرنے کے لئے دو سندیں ذکر کیں۔ -2- علی سبیل التسلیم

مشہورین کا مذہب:

ایک جواب یہی دیا۔ اور اس کو پختہ کرنے کے لئے تین سندیں ذکر کیں۔ اور اسی کو صاحب مطول نے ذکر کیا۔

ال نمبر 3: نظام کے مذہب کا کیا کوئی اور بھی رد ہے؟

ایک اور رد بھی ہے جسے علماء نے ذکر نہیں کیا۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں تھا۔ تو میں نے عبداللہ بن اُبی بن سلول کو کہتے ہوئے سنا کہ "تم خرچ نہ کرو ان پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں حتی کہ وہ آپ کے اردگرد سے پھر جائیں۔ اور اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ضرور مدینے سے عزت والے (منافقین) ذلت والوں کو (یعنی مومنین مراد لئے) نکال دیں گے۔"

تو میں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ تو آپ نے مجھے بلایا تو میں نے بیان کیا۔ تو پھر آپ نے عبداللہ بن اُبی کی طرف اور اس کے ساتھیوں کی طرف

بھیجا۔ تو اس نے مع ساتھیوں نے حلف اٹھا لیا کہ ہم نے یہ کیا ہی نہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق اور میری تکذیب کی۔ تو مجھے ایسا غم پہنچا اس سے کہ ایسا پہلے کبھی نہ پہنچا تھا۔ تو میں گھر میں بیٹھ گیا۔ پھر میرے چچا نے مجھے کہا کہ تو نے کس چیز کا ارادہ کر لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے جھٹلا دیا ہے اور تجھ سے ناراض ہو گئے۔ تو اللہ پاک نے پھر نازل فرمایا "اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا آپ نے اسے پڑھا پھر فرمایا کہ بے شک اللہ پاک نے تجھے سچا قرار دیا۔

استدلال: تو اللہ پاک نے منافقین کو جو جھوٹا کہا وہ منافقین کے حلف اٹھانے اور یہ کہنے کہ "ہم نے نہیں کیا" اس میں جھوٹا کہا ہے۔ یعنی اس کا شان نزول اور ہے۔

تو تکذیب ان کے حلف اٹھانے اور نہ کہنے کی طرف لوٹے گی۔ نہ کہ انک لرسول اللہ میں۔

تو یہ ایک تیسرا جواب تھا۔

سوال نمبر 35: جاحظ کے نزدیک خبر کا صدق وکذب میں منحصر ہونے کو بیان کریں۔

جاحظ صدق وکذب میں خبر کے منحصر ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اور صدق وکذب کے درمیان واسطہ ثابت کرتا ہے۔

اس کے کلام کی تحقیق یہ ہے کہ اولاً خبر کی دو صورتیں ہیں۔

1۔ کہ خبر یا تو واقع کے مطابق ہوگی۔ 2۔ یا نہیں ہوگی۔

پھر ان میں سے ہر ایک کی تین تین صورتیں بنتی ہیں۔

1۔ خبر واقع کے مطابق ہو اور مطابقت کا اعتقاد بھی ہو۔

2۔ خبر واقع کے مطابق ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ یہ واقع کے مطابق نہیں۔

3۔ خبر واقع کے مطابق ہو لیکن اعتقاد کچھ بھی نہ ہو۔

4۔ خبر واقع کے مطابق نہ ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ واقع کے مطابق ہے۔

5۔ خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور اعتقاد بھی عدم مطابقت کا ہو۔

6۔ خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور اعتقاد کچھ بھی نہ ہو۔

تو یہ کل چھ اقسام [illegible] بن گئیں۔

تو اس کے نزدیک ایک خبر صادق، ایک خبر کاذب، بقیہ چار نہ صادق نہ ہی کاذب ہوں گی۔

سوال نمبر 36: جاحظ کے نزدیک صدق خبر، کذب خبر کی تعریف اور تیسری قسم مع دلیل وردلکھیں۔

صدق خبر کی تعریف:

خبر کا واقع کے مطابق ہونا اس اعتقاد کے ساتھ کہ خبر واقع کے مطابق ہے۔

کذب خبر کی تعریف:

خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور اعتقاد بھی ہو کہ واقع کے مطابق نہیں ہے۔

تیسری قسم:

جاحظ کے نزدیک ایک تیسری قسم بھی ہے جو نہ صدق ہو اور نہ کذب۔ ان کی صورتیں بقیہ چار ہیں۔

ماقبل میں جو چھ اقسام بیان کی گئیں ان میں سے نمبر 2، 3، 4 اور 6 = یہ سب لاصدق اور لاکذب کی صورتیں ہیں۔

سوال نمبر 37: جاحظ اور جمہور و نظام معتزلی کی تعریف کے مابین نسبت کون سی ہے؟

یہاں عموم خصوص کی نسبت ہے۔ جاحظ کی تعریف خاص

ہے۔ جب کہ جمہور و نظام کی تعریف عام ہے۔

وجہ: کیوں کہ جاحظ نے صدق و کذب میں واقع اور اعتقاد دونوں کا اعتبار کیا ہے۔ جب کہ ان دونوں نے ان میں سے ایک، ایک چیز کا اعتبار کیا ہے۔ کیوں کہ ان دونوں کی تعریفات تو جاحظ کی تعریف پر سبھی آجائیں گی۔ لیکن جاحظ کی تعریف کسی ایک کی تعریف پر بھی سچی نہ آئے گی۔

لہٰذا جاحظ کی تعریف خاص اور ان کی عام ہوئی۔

جاحظ کی تیسری قسم پر دلیل:

قرآن پاک میں آیا ہے "أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ" یعنی کفار نے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک پر جھوٹ باندھا یا وہ مجنون ہیں (العیاذ باللہ) کیوں کہ کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حشر و نشر سے متعلق خبر دینے کو انہوں نے دو چیزوں میں منحصر کیا منع الخلو کے طور پر۔

"منع الخلو" یعنی ان دونوں باتوں میں سے ایک ضرور ہے۔ یا تو جھوٹ باندھا یا (معاذ اللہ) مجنون ہیں۔

محل استشہاد:

حالت جنون میں خبر دینا: یہ ایسی خبر ہے جو نہ صدق ہے اور نہ کذب = کیوں کہ حالت جنون میں خبر دینا کذب نہیں ہو سکتی۔ کہ یہ کذب کی قسیم ہے اور شے کی قسیم اس کا غیر ہوتی ہے۔ کیوں کہ پہلے کذب آیا تو اب یہ غیر کذب ہوگی۔

اور یہ صدق بھی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ جو کہ ان کے اعتقاد سے بہت دور تھا۔

شارح کا مذہب:

اگر ماتن یوں کہتے کہ غیر صدق اس لئے ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ "أَمْ بِهِ جِنَّةٌ" یہ کسی صورت بھی صدق پر ~~بھی~~ دلالت نہیں کرتا۔ تو اسے اس سے تعبیر کرنا بھی درست نہیں۔ یعنی غیر صدق ہے۔ تو کفار کی مراد حال جنون میں خبر دینے سے

نہ صدق ہے اور نہ ہی کذب ہے۔

اعتراض:

کفار کے قول سے آپ نے صدق وکذب کے درمیان واسطہ ثابت
کیا۔ حالانکہ ان کی بات کا تو اعتبار ہی نہیں۔ تو استدلال بھی درست نہیں۔

جواب:

ایسے مقام پر اہل لغت کا اعتبار ہوتا ہے۔ چاہے جو بھی دین ہو۔
اور کفار میں عاقل اور اہل زبان تھے۔ لہٰذا ان کا اعتبار ہوگا۔
لہٰذا پھر خبر ان میں سے ہے جو نہ صدق ہو اور نہ کذب۔ تاکہ خبر
ان کے گمان کے مطابق ہو جائے۔ اگرچہ حقیقت میں خبر سچی تھی۔

جاحظ کے استدلال کا رد:

کذب دو طرح کا ہوتا ہے۔ 1. افتراء: یعنی وہ جھوٹ جو جان
بوجھ کر بولا جائے۔ 2. عدم افتراء: یعنی جو بلا قصد جھوٹ ہو۔
تو یہاں پر "أَمْ بِهِ جِنَّةٌ" کا معنی ہوگا "أَمْ لَمْ يَفْتَرِ"
یعنی یہاں پر عدم افتراء مراد ہوگا۔ اس لئے کہ جو مجنون ہوتا ہے

وہ کسی کا قصد نہیں کرتا تو یہ عدم افتراء ہوا۔ نہ کہ غیر کذب ہوگا۔
یعنی جھوٹ تو ہے اگرچہ بغیر قصد کے ہے۔
اور یہ کذب کی قسیم بھی نہیں ہے۔ یعنی مطلقاً کذب کی۔ بلکہ یہ
ایک خاص کذب کی قسیم ہے اور وہ افتراء ہے۔
تو گویا کفار نے خبر کاذب کو اس کی دونوں قسموں قصد و بلا
قصد میں منحصر کر دیا۔ لہٰذا واسطہ ثابت نہ ہوگا۔
اگر تسلیم کر بھی لیں کہ مطلق کذب مراد ہے تو پھر بھی آپ کو یہ
ماننا پڑے گا کہ یہاں پر قصد و بلا قصد والا افتراء مراد ہے۔
کیوں کہ **قاعدہ** ہے کہ جب افعال اختیاریہ یعنی وہ افعال جو
بندہ اپنے اختیار سے کرتا ہے جب ان کی نسبت ایسی ذات کی طرف کی جائے
جو صاحب قصد ہو تو وہاں پر مراد یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اختیار سے ہی
افعال کئے ہیں۔ تو یہاں پر اگرچہ مطلق جھوٹ مراد لیں لیکن نسبت
ایسی ذات کی طرف ہے جو صاحب قصد ہیں یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی طرف ہے تو پھر افتراء یعنی قصد و عدم قصد کا اعتبار کیا جائے گا۔

Date: 25-01-2020

شارح کی طرف سے رد:

آیت سے مراد یہاں یہ ہوگا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے افترا کیا یا پھر انہیں جنون لاحق ہوا۔ (معاذ اللہ)

یہاں پر کفار کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کو خبر کاذب اور غیر خبر کے درمیان منحصر کرنا ہے۔

کیونکہ کلام کے خبر بننے کے لئے قصد اور ارادہ ضروری ہوتا ہے۔ اور مجنون کا کوئی قصد و ارادہ نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا کلام خبر بھی نہیں ہوگا۔

لہذا ایسی خبر بھی ثابت نہ ہوگی جو نہ صدق ہو اور نہ کذب ہو۔

جاحظ کا اعتراض:

افترا کا معنی مطلق جھوٹ بولنا ہی ہے۔ اور افترا کو عمد و قصد کے ساتھ مقید کرنا خلاف اصل ہے۔ لہذا اس بات کو بلا دلیل نہیں مانا جائے گا۔

جواب: افترا کے مفہوم میں قصد و عمد کا اعتبار ہوتا ہے۔

Date: 27-01-2020

یا تو اس کے مفہوم میں ہی داخل ہے یا پھر قرینہ / دلیل خارجیہ کے طور پر داخل کرنا پڑے گا۔ تو مقید کرنے میں آئمہ لغت کی نقل اور استعمال عرب ہی کافی ہیں۔ کیوں کہ جب عرب والے افترا لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ عمداً جھوٹ بولنا مراد لیتے ہیں نہ کہ مطلقاً جھوٹ۔

اس کا رد:

ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ کلام کے خبر بننے کے لئے قصد و عمد کا ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ مجنون یا سونے والا یا بھول کر کلام کرنے والا جب یہ کلام کرتے ہیں تو ان کا کلام واضح طور پر خبر ہی ہوتا ہے نہ کہ انشاء۔ وگرنہ خبر و انشاء کے درمیان واسطہ ثابت ہوگا۔ حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں۔

اور اس میں کثیر بحث ہے۔

سوال نمبر 38: کیا صرف مرکب تام اخباری ہی صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے یا مرکب غیر اخباری / تقییدی / غیر تام بھی رکھتا ہے؟ شارح کی نظر بھی لکھیں۔

1- مشہور مذہب یہ ہے کہ صرف مرکب تام ہی احتمال رکھتا ہے نہ کہ مرکب

غیر تام ۔ ل

2۔ بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ مرکب تام و غیر تام کے درمیان
جو نسبت ہوتی ہے ان میں کوئی فرق نہیں ۔ فرق صرف تعبیر کا ہے ۔
اگر نسبت کو کلام تام سے تعبیر کیا جائے تو اس کلام کو خبر اور تصدیق
کہیں گے ۔

مثال: جیساکہ زید انسان، زید فرس ۔ یہاں نسبت کو کلام تام
سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

اور اگر نسبت کو کلام تام سے تعبیر نہ کیا جائے تو ایسے کلام کو مرکب
تقییدی یا تصور کہیں گے ۔

یعنی صدق و کذب کا احتمال دونوں ہی رکھتے ہیں فرق صرف تعبیر کا ہے ۔
تو چاہیے جو بھی مرکب ہو یہ دیکھیں گے اگر نسبت واقع اور
خارج کے مطابق ہو تو یہ صدق کہلائے گا ۔ جیساکہ "یا زید الانسان"
اور اگر مطابقت نہ ہو تو کذب ۔ جیسے "یا زید الفرس" یہ مرکب تقییدی
کذب ہے ۔ اور "یا زید الفاضل" یہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے ۔

بعض کے جواب میں شارح کی نظر وارد کریں ۔

نظر اس بات میں ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ مرکب اخباری و غیر اخباری
میں کوئی فرق نہیں ۔ کیوں کہ ان دونوں میں فرق ہے ۔

وجہ فرق نمبر 1:

مرکب غیر اخباری/ناقص میں مخاطب کو نسبت کا پہلے ہی علم ہوتا ہے ۔
جبکہ مرکب اخباری میں نہیں ہوتا ۔

مثال: جیساکہ میں "زید قائم" اس وقت کہوں گا جب سامنے والے
کو اس بات کا علم نہ ہوگا ۔ تو یہ مرکب اخباری ہے ۔

اور "زید ن القائم ذهب" تو زید ن القائم والی نسبت کا مخاطب کو
پہلے ہی علم تھا کہ جو زید کھڑا تھا وہ چلا گیا تو یہ مرکب غیر اخباری ہے ۔
تو فرق ظاہر ہوگیا ۔

اور قاعدہ ہے کہ صفتوں کا علم حاصل ہونے سے پہلے وہ
خبریں ہوتی ہیں اور خبروں کا علم حاصل ہونے کے بعد
خبریں صفت بن جاتی ہیں ۔

وجہ فرق نمبر 2 :

دونوں مرکب صدق وکذب کا احتمال نہیں رکھتے ۔ کیوں کہ صدق و
کذب اس نسبت کی طرف لوٹتے ہیں کہ جس کو ثابت کرنے اور
نفی کرنے میں متکلم ارادہ رکھتا ہو ۔ اور متکلم صرف مرکب تام
میں نفی یا اثبات کا قصد کرتا ہے ۔ لہٰذا فرق ظاہر ہو گیا ۔

وجہ فرق نمبر 3 :

اگر آپ کی بات کو مان لیا جائے کہ دونوں ہی صدق وکذب کا
احتمال رکھتے ہیں ۔ تو پھر مرکب غیر تام پر صدق وکذب کا اطلاق
کرنا یہ عرف اور لغت کے خلاف ہو جائے گا ۔ اور عرف و
لغت کی مخالفت درست نہیں ۔
کیوں کہ عرف زیادہ قوی ہوتا ہے ۔
ہاں اگر نئی اصطلاح بنانا مراد ہو تو پھر کوئی جھگڑا
نہیں ۔

سوال نمبر 39 : اسناد کی تعریف لکھیں ۔ نیز دوسری تعریف مع وجہ اولویت لکھیں ۔

ایک کلمے کو یا جو کلمے کے قائم مقام ہو اسے دوسرے کلمے کے ساتھ
ملانا اس حیثیت سے کہ وہ حکم فائدہ دے ۔ یا یوں طور پر کہ ان
دونوں کلموں میں سے ایک کلمے کا مفہوم، دوسرے کلمے کے مفہوم کے
لئے ثابت ہو یا اس کی نفی ہو ۔

صاحب مفتاح (سکاکی) کی تعریف :

ایک مفہوم کے ساتھ دوسرے مفہوم کے لئے حکم لگانا اس بات کا کہ
ایک مفہوم دوسرے کے لئے ثابت ہے یا منفی ہے ۔

اولیٰ تعریف مع وجہ اولویت :

پہلی جمہور کی تعریف سکاکی کی تعریف سے اولیٰ ہے ۔
کیوں کہ قطعی طور پر ہم یہ بات جانتے ہیں کہ مسند الیہ اور مسند
الفاظ کے اوصاف میں سے ہیں ۔ جیسا کہ ہماری تعریف میں لکھا ہے

Date: 29-01-2020

جب کہ سکاکی کی تعریف میں یہ معنی کی صفت بن رہے ہیں -
تو ہم نے نحویوں کی رعایت کی اور سکاکی نے ان کے عرف کی مخالفت
کی اس لئے ہماری تعریف اولیٰ ہے -

۔۔: خبر و انشا دونوں کلام کی قسمیں ہیں تو ماتن نے خبر کی بحث کو مقدم کیوں کیا؟

1- خبر کی شان و عظمت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے -
کیوں کہ تمام عقائد و نظریات خبر سے ہی واقع ہوتے ہیں -
2- خبر کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے - کیوں کہ یہ کثیر صورتوں میں
اور حیرت انگیز تعبیرات میں بھی واقع ہوتی ہے - اور اسی کے
ذریعے اکثر وہ خصوصیات واقع ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آپس میں
فضیلت حاصل ہوتی ہے -
3- خبر اصل ہے اور انشا فرع ہے - اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے -
کیوں کہ انشا خبر ہی سے مشتق ہوتی ہے - جیسے امر و نہی کے صیغے -
یا خبر سے نقل ہو کر استعمال ہوتا ہے - جیسے عسیٰ، نعم، بئس، اشتریت
یا خبر پر کسی کلمے کا اضافہ کر کے - جیسے تمنی، استفہام وغیرہ

Date: 29-01-2020

سوال نمبر 41: احوال مسند الیہ و مسند کی بجائے احوال اسناد خبری کو مقدم کیوں کیا؟

اگرچہ نسبت/اسناد، مسند الیہ و مسند سے متأخر ہوتی ہے لیکن پھر
بھی اسے مقدم اس لئے کیا کہ علم معانی صرف اس لفظ کے احوال
سے بحث کرتا ہے کہ جو مسند الیہ اور مسند ہونے کے ساتھ متصف ہو -
اور یہ وصف اسناد کے متحقق ہونے کے بعد ہی پایا جاتا ہے -
کیوں کہ جب تک مسند الیہ و مسند میں سے ایک کی دوسرے کی طرف
اسناد نہیں ہوگی تو نہ کوئی مسند الیہ ہوگا اور نہ ہی مسند -
اس لئے پہلے اسناد کا بیان ضروری تھا -
اور نسبت پر جو مقدم ہے وہ محض مسند الیہ و مسند کی ذات ہے اور
ہماری ذات کے متعلق کوئی بحث ہی نہیں -

سوال نمبر 42: فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کسے کہتے ہیں؟

مُخبِر اپنی خبر سے مخاطب کو نفسِ حکم کا فائدہ پہنچانے کا ارادہ
کرے تو فائدۃ الخبر - اور اگر یہ بتانا مقصود ہو کہ متکلم بھی اسے
جانتا ہے تو لازم فائدۃ الخبر ہوگا -

سوال نمبر 43: ان فوائد کے علاوہ جملہ خبریہ کن اغراض کے لئے لایا جاتا ہے؟ امثلہ دیں۔

اکثر طور پر جملہ خبریہ ان دو فائدوں کے علاوہ دیگر اغراض کے لئے بھی لایا جاتا ہے۔

مثال ① - جیسے عمران کی بیوی کا کہنا: رب انی وضعتھا انثی

اے میرے رب میں نے اسے لڑکی جنا۔

اس خبر سے مقصود نہ تو فائدۃ الخبر ہے اور نہ ہی لازم فائدۃ الخبر۔ بلکہ امید میں ناکامی پر حسرت کا اظہار کرنا ہے اور تقدیر/اندازے کے بر عکس ہونے پر اور غم کرنا مراد ہے اپنے رب کی طرف کہ امید لڑکے کی تھی اور لڑکی پیدا ہوگئی۔

مثال نمبر ②: حضرت زکریا علیہ السلام سے حکایت: رب انی وھن العظم منی

اے میرے رب مجھے میری ہڈیوں نے کمزور کر دیا۔

اس خبر سے مقصود کمزوری، بڑھاپا اور ڈرنا مقصود ہے۔

مثال نمبر ③: اللہ پاک کا قول "لا یستوی القعدون من المومنین"

اس خبر سے مقصود فرق بیان کرنا ہے بیٹھنے اور جہاد کرنے والوں میں۔

تاکہ بیٹھنے والے اپنے آپ کو کم سمجھیں اور اپنی منزلت/رتبے کے کم ہونے کو بچائیں۔

مثال نمبر ④: "ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون"

اس خبر سے مقصود جاہل کو غیرت دلانے کا جوش دلانا ہے۔

اس طرح اور بھی کثیر امثلہ ہیں۔

مثال نمبر ⑤: امام مرزوقی کا قول

اے امیمہ میری قوم نے میرے بھائی کو قتل کیا

شعر: پس جب میں تیر پھینکوں تو میرا تیر مجھ ہی کو چھلنی کرتا ہے۔

اب اس سے مقصود غم اور تکلیف کا اظہار کرنا ہے۔

سوال نمبر 44: فائدۃ الخبر و لازم فائدۃ الخبر کی تعریفات میں حکم سے کیا مراد ہے؟

حکم سے مراد وقوع نسبت اور لا وقوع نسبت مراد ہے۔ نہ کہ ایقاع نسبت اور انتزاع نسبت مراد ہے۔ کیوں کہ مخبر کا اپنی خبر سے یہ فائدہ دینے کا ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے نسبت کو واقع کیا ہے۔ یا اس کا کہ وہ (متکلم) بھی جانتا ہے کہ اس نے نسبت کو واقع کیا ہے۔ یہ مقصود نہیں ہوتا۔

فان قلت ... الخ اعتراض :

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حکم سے مراد ایقاع نسبت یا انتزاع نسبت ہے۔
کہ قوم کا اتفاق ہے کہ خبر کا مدلول وہ مخبر کا حکم لگانا ہے اثبات میں
وجود معنی کا اور نفی میں عدم معنی کا - اور یہ ثبوت معنی اور انتفاء
معنی پر دلالت نہیں کرتا -
یعنی انتزاع و ایقاع نسبت مراد ہے نہ کہ وقوع و لا وقوع نسبت مراد ہے۔
خبر دال ہے تو اگر اس کا مدلول وقوع نسبت مراد لیں تو پھر خبر میں
مخاطب کو شک ہی نہیں ہوگا - بلکہ اسے تو یقین ہو جائے گا
جسے ثابت کیا گیا اس کے ثبوت کا اور جس کی نفی کی گئی اس کی نفی کا۔
کیوں کہ دال کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے مدلول سے معنی کا فائدہ دے۔

مثال: جیسا کہ ضرب زید کہ یہ کہنا تب ہی درست ہوگا جب خارج
میں بھی مار پائی گئی ہو - تاکہ لفظ کا معنی موضوع لہ سے خالی ہونا
لازم نہ آئے - یعنی زید کا موضوع لہ ذات زید۔
تو پھر اس صورت میں ساری خبریں ہی سچی ہوں گیں - کذب

اصلاً متحقق ہی نہ ہوگا -
یہ بات باطل ہے - کیوں کہ یقیناً بعض خبریں جھوٹی ہوتی ہیں - تو
اس طرح تناقض آئے گا - لہذا ایقاع و انتزاع نسبت مراد لیا جائے گا۔
کیوں کہ دال اپنے مدلول سے جدا نہیں ہو سکتا -

جواب:

یہاں خبر کا مدلول وقوع نسبت اور لا وقوع نسبت ہی ہے -
اور جو آپ کی دلیل تھی کہ خبر / دال ، مدلول سے جدا نہیں ہو سکتی
وہ دلالت عقلیہ میں ہوتا ہے - جب کہ دلالت وضعیہ میں جدا
ہو سکتا ہے - اور ہماری مراد بھی دلالت وضعیہ ہے -
لہذا جب جدا ہو سکتا ہے پھر ضروری نہیں کہ ہر خبر سچی ہی ہو -
بعض جھوٹی بھی ہو سکتی ہیں - تو وقوع و لا وقوع نسبت ہی
مراد لیں گے - نہ کہ ایقاع و انتزاع نسبت مراد ہے -

سوال نمبر 45: فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کے مابین نسبت کو واضح کریں -
ان کے مابین نسبت یا تو تساوی ہے - یعنی فائدۃ الخبر

ملزوم ہے اور لازم فائدۃ الخبر لازم ہے۔ اور جہاں پر ایک ہو گا تو دوسرا بھی ہوگا۔ یعنی جہاں پر فائدۃ الخبر پہنچانا مقصود ہوگا وہاں پر لازم فائدۃ الخبر بھی ہوگا۔

لیکن صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے ذکر کیا کہ ان کے مابین نسبت عموم خصوص کی ہے۔ فائدۃ الخبر ملزوم خاص اور لازم فائدۃ الخبر لازم اعم ہے۔ اسے لازم مجہول المساواۃ بھی کہتے ہیں۔ اور "قاعدہ" ہے کہ لازم اعم کے بغیر ملزوم خاص نہیں پایا جاسکتا لیکن ملزوم خاص کے بغیر لازم اعم پایا جاسکتا ہے۔ تاکہ عمومیت کے معنی ثابت ہوسکیں۔

مثال: جیساکہ مخاطب کو "زید قائم" کہنا۔ اس میں اسے حکم فائدہ پہنچانا ہے کہ زید کھڑا ہے لیکن یہاں لازم فائدۃ الخبر بھی ہے کہ متکلم کو بھی معلوم ہے۔ یہاں پر لازم اعم اور ملزوم خاص اکٹھے پائے گئے۔

اور یہ کہنا کہ "تو نے تورات کو حفظ کرلیا ہے" اس میں صرف لازم فائدۃ الخبر ہے فائدۃ الخبر نہیں ہے۔

اس میں لازم اعم تو ہے مگر ملزوم خاص نہیں۔ اور یہی ہمارا قاعدہ تھا۔ لہذا ان کے مابین نسبت عموم خصوص کی ہے۔

سوال نمبر 47:- بعض اوقات مخاطب کو فائدۃ ولازم فائدۃ الخبر دونوں کا علم ہوتا ہے مگر پھر بھی اسے خبر دی جاتی ہے۔ تو اس سے کیا غرض ہوتی ہے؟

کبھی وہ مخاطب کہ جو فائدہ ولازم دونوں کا عالم ہوتا ہے اسے جاہل کی منزلہ پر اتار کر خبر دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ علم کے مقتضی پر نہیں چل رہا ہوتا۔ کیونکہ اس وقت وہ اور جاہل برابر ہوتے ہیں۔

مثال①: جیسے کوئی عالم ہو تارک صلوٰۃ کہ یہ فرض ہے اور چھوڑنا گناہ ہے اسے کہنا کہ "نماز فرض" ہے۔ تو وہ نماز نہیں پڑھ رہا ہوتا یعنی علم کے مقتضی (عمل) پر نہیں چل رہا ہوتا تو اسے جاہل کی منزلہ پر اتار کر یہ کہا جائے گا۔

مثال②: جیساکہ کوئی جانتا ہو کہ سامنے کیا پڑا ہے اسے کہنا "وہ کتاب ہے" [illegible] وہ کیا ہے؟ کیونکہ علم کا مقتضی یہاں سوال کو چھوڑنا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے سوال کیا۔ جانتا بھی تھا تو مقتضی پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ بمنزلہ جاہل ہے۔ یقتضی سوال نہ کرنا تھا۔

Date: 07-02-2020

مثال (3) : اللہ پاک نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ " اے موسیٰ !
تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے ؟ تو عرض کی کہ یہ میرا عصا ہے ۔
تو یہاں پر بھی "ھو الکتاب" کی طرح ہے ۔ لیکن یہاں پر اللہ پاک نے
کسی حکمت کے لئے سوال فرمایا ۔ لیکن یہاں پر اللہ پاک کو جاہل کی منزلہ پر
نہیں اتارا جائے گا ۔

مثال (4) : صاحب مفتاح کی طرف سے مثال ۔ امام خلخالی کا مذہب ۔
اللہ پاک نے فرمایا " اور قسم ہے تحقیق وہ جانتے تھے کہ جو اس جادو کو
خریدے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔ اور کیا ہی برا ہے جس کے بدلے
انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا اگر وہ جانتے ہوتے ۔
اب اس آیت کے شروع میں قسم اور تاکید سے فرمایا کہ وہ جانتے ہیں
پھر آخر میں فرمایا کہ اگر جانتے ہوتے ۔ تو یہاں پر بھی وہ اس علم کے مقتضی
پر عمل نہیں کر رہے تھے یعنی پھر بھی وہ جادو کو نہیں چھوڑ رہے تھے ۔
تو جاہل کی منزلہ پر اتار کر فرمایا ۔
تو ایسا اعتبار خطابیہ اور مخاطب کے اعتبار سے کلام کیا جاتا ہے ۔

Date: 11-02-2020

آخری مثال میں امام خلخالی کے مذہب کا رد تحریر کریں ۔
یہ آیت دو وجوہات کی بنا پر عالم کو جاہل کی منزلہ پر اتارنے کی نہیں بن سکتی ۔
نمبر 1 : اس میں کلام کا مہمل ہونا لازم آتا ہے ۔
اس طرح کہ " لو کانوا یعلمون " کا مطلب ہوگا کہ اگر ان کو جادو کے
خریدنے کی قباحت کا علم ہوتا تو ضرور وہ اس سے باز آجاتے ۔
اور مفہوم مخالف یہ ہوا کہ ان کو علم نہیں تھا تو وہ باز بھی نہ آئے ۔
تو اس صورت میں وہ عالم نہیں تو ان کی مذمت بھی نہ ہوگی ۔
حالانکہ مقصود ان کی مذمت بیان کرنا ہے ۔ تو اس طرح یہ مہمل ہوگا ۔
نمبر 2 :
یہ کلام یہودیوں سے نہیں ہے بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام
سے ہے ۔ یعنی یہ ضرور جانتے تھے ۔
تو اس صورت میں بھی عالم کو جاہل کی منزلہ پر اتارنا نہیں پایا جائے گا ۔

Date: 11-02-2020

سوال نمبر 47:- مخبر، مخاطب سے کب تاکید سے کلام کرے گا کب اس کے بغیر؟ ان کے نام بھی لکھیں۔

اگر مخاطب حکم سے اور اس میں تردد سے خالی الذہن ہو تو اب
تاکید نہیں لگائی جائے گی۔ اور اسے ابتدائی کیا جاتا ہے۔
اور اگر وہ متردد ہو تو تاکید لگانا اچھا ہے۔ اسے طلبی کیا جاتا ہے۔
اور اگر وہ منکر ہو تو تاکید لانا واجب ہے۔ اور اسے انکاری کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر 47:- "تردد فیہ" اس عبارت پر وارد ہونے والا اعتراض مع جواب لکھیں۔

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ نے کہا کہ مخاطب حکم اور تردد سے خالی ہو۔
تو جب حکم کہہ دیا تو اب تردد کی قید لگانے کی حاجت نہ رہی۔
کیوں کہ جب ذہن میں حکم ہی نہیں پایا جائے گا تو تردد بھی نہیں پایا جائے گا۔
اور تردد پایا جائے گا تو پھر حکم ضرور پایا جائے گا۔
لہٰذا تردد کی قید فضول ہے۔

جواب:

ایسا ہو سکتا ہے کہ تردد ہو مگر حکم نہ ہو۔ جیسا کہ جب کسی
کو شک ہو کہ ہو سکتا ہے زید گھر پر ہے یا گھر پر نہیں ہے۔

Date: 12-02-2020

تو اب کو تردد تو ہے مگر یہ زید کے گھر پر ہونے کو نہ تو ثابت
کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی نفی کا حکم لگا سکتا ہے۔
تو یہاں تردد تو ہے مگر حکم نہیں۔ لہٰذا یہ قید بھی درست ہے۔

سوال نمبر 47:- طلبی میں تاکید لانے کے متعلق عبدالقاہر اور قوم کا اختلاف لکھیں۔

قوم یہ کہتی ہے کہ اگر متردد ہو مخاطب تو تاکید لانا اچھا ہے۔ لیکن
عبدالقاہر کہتے ہیں کہ تاکید تب لائیں گے جب مخاطب جواب کے
خلاف کا گمان رکھتا ہو اگرچہ وہ متردد ہو۔

مثال: جیسا کہ "إنَّ" ہے یہ اکثر جواب میں واقع ہوتا ہے۔
لیکن اس میں شرط ہے کہ مخاطب اس کے خلاف کا گمان رکھے۔
جیسے کوئی کہے "زید کیسا ہے" تو کہہ دینا "زید صالح" یہ درست ہے
اگر وہ اس کے خلاف کا گمان نہیں رکھتا۔ اسی طرح "أین زید"
کے جواب میں "زید فی الدار" کہنا۔
لیکن اگر مخاطب مخالف گمان رکھتا ہو تو اب تاکید لا کر جواب
دیں گے کہ "انَّ زیداً صالحٌ"، "إنَّ زیداً فی الدار"۔

سوال نمبر 47: تاکید لانا کب واجب ہوتا ہے؟ مع مثال تحریر کریں۔

اگر مخاطب حکم کا منکر ہو تو اب انکار کے مطابق تاکید لانا واجب ہوگا۔ انکار ضعیف ہوگا تو تاکید بھی تھوڑی ہوگی۔ اور اگر انکار قوی ہوگا تو تاکید بھی زیادہ ہوں گی۔

مثال: جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قاصدوں کی حکایت کرتے ہوئے کہ جب ان کو پہلی مرتبہ جھٹلایا گیا تو کہا "إنا إليكم مرسلون" یعنی إنّ اور جملہ اسمیہ سے تاکید لگائی۔

اور جب انکار بڑھا تو دوسری بار "ربنا يعلم انا اليكم لمرسلون" کہا۔ اس میں قسم، إنّ، لام تاکید اور جملہ اسمیہ سے بھی تاکید لائے۔

اعتراض:

کفار نے قاصدوں کے قاصد ہونے کی نفی نہیں کی تھی بلکہ بشر رسول نہیں ہو سکتا اس کی نفی کی تھی۔ تو پھر ان کے سامنے اتنی تاکیدات کیوں لائے؟

جواب: قاصدوں نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو

انہوں نے اس طرح دعوت دی کہ گویا یہ ہی صاحب وحی اور رسول ہیں یہ ظاہر اس لئے کیا کیوں کہ رسول کا قاصد بھی رسول ہوتا ہے۔ تو اس لئے ان پر انکار اور تاکیدات ان کی طرف سے ہوئیں۔

سوال نمبر 47: کلام کو مقتضی ظاہر کے مطابق کب لایا جاتا ہے؟ نیز مقتضی ظاہر و حال کے مابین نسبت اور اس پر اعتراض و جواب لکھیں۔

ان تمام صورتوں پر کلام لانا یعنی تاکیدات و غیر تاکیدات تینوں قسموں پر جو کلام لایا جائے وہ مقتضی ظاہر کے مطابق ہوتا ہے۔

نسبت: ان کے مابین نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔ یعنی مقتضی ظاہر خاص اور مقتضی حال عام ہے۔ ہر مقتضی ظاہر، مقتضی حال تو ہوگا مگر بعکس ضروری نہیں بلکہ بعض حال، ظاہر ہوں گے۔

سوال نمبر 48: اعتراض: اذا جعلت المنکر کغیر المنکر ... الخ

ہم نہیں مانتے کہ ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے بلکہ عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ ←

مثلاً جو منکر ہے اسے آپ غیر منکر کے درجے میں اتار کر کلام کریں تو
مقتضی ظاہر تو یہ ہے کہ تاکید لائی جائے لیکن مقتضی حال یہ ہے کہ
تاکید نہ لائی جائے کیوں کہ اسے غیر منکر کے درجے میں اتارا گیا ہے۔
لیکن پھر بھی آپ کلام تاکید سے لاتے ہیں جیسے "انّ زیدًا لقائم"
تو یہاں پر کلام مقتضی ظاہر تو ہے لیکن مقتضی حال نہیں ہے۔ اور
آپ نے کہا تھا کہ ہر مقتضی ظاہر، مقتضی حال ہوگا۔
لہٰذا عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی نہ کہ مطلق کی۔

جواب:

ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ مقتضی حال کے مطابق نہیں ہے۔ اس
لئے کہ حال دو طرح کا ہوتا ہے (1) حال خفی (2) حال ظاہر
تو یہاں پر مخالفت حال خفی کی ہے نہ کہ حال ظاہر کی تو اس کی مخالفت
سے مطلقاً حال کی مخالفت نہیں ہوگی۔ کیوں کہ خاص کی نفی سے
عام کی نفی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کے مابین نسبت عموم خصوص من
وجہ کی نہیں بلکہ مطلق کی ہی ہے۔

سوال نمبر 69: کلام کو مقتضی ظاہر کے خلاف پر لانے کی صورتیں بیان کریں۔

اکثر کلام کو مقتضی ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے۔ یعنی اس کا کلام میں وقوع کثیر ہے
یہ فی نفسہ ہے نہ کہ مقابل جو ادب ہے کہ مطابق لانا بہت کم ہو۔ ایسی بات نہیں ہے۔

1۔ غیر سائل کو سائل بنایا جاتا ہے جب کہ پہلے ایسی خبر گزر گئی ہو کہ جو
اس کی طرف اشارہ کرے تو اب غیر سائل کو اس کا انتظار ہو جیسے متردد
طالب کو انتظار ہوتا ہے۔

مثال: جیسا کہ حضرت نوح سے فرمایا "ولا تخاطبنی ... الخ کہ تو ان لوگوں
کے متعلق مجھ سے کلام نہ کر جنہوں نے ظلم کیا۔
اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان کو عذاب ہوگا۔ پھر فرمایا "ہماری آنکھوں
کے سامنے کشتی بناؤ" اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عذاب نہ ہوگا۔
اب پہلی خبر اور دوسری سے سائل متردد ہو گیا اور اسے انتظار بھی ہے اور
ماقبل خبر اشارہ بھی کر رہی لیکن سوال نہ کیا پھر بھی ان کو سائل کی منزلہ پر
اتار کر فرمایا "انّھم مّغرقون" کہ انہیں غرق کیا جائے گا۔

دیگر امثلہ: "صلِّ علیھم" پر فرما کر اشارہ کیا تو اب سامنے والا متردد ہے
اور طلب کر دیا ہے کہ کیوں دعا کی جائے تو فرمایا "ان صلوٰتک سکن لھم"

2- دوسری صورت:

غیر منکر کو منکر کی طرح بنایا جاتا ہے جب غیر منکر پر انکار کی کوئی علامت ظاہر ہو۔ تو اب ان سے کلام تاکید کے ساتھ کیا جائے گا۔ مقتضی حال (حال خفی) کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ مقتضی ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے۔

مثال: جیسا کہ شعر کہ شقیق آیا اپنے نیزے کو چوڑائی میں پھیلائے ہوئے۔ اب اس طرح نیزہ لانا یہ اس بات کا انکار نہیں کہ چچا کے بیٹوں کے پاس نیزے نہیں۔ لیکن وہ بغیر کسی اور طرف متوجہ ہوتے ہوئے اور بغیر بتائے ہوئے کہ جب آ رہا ہے تو یہ اس بات پر علامت ہے کہ وہ سمجھ رہا ہے کہ ان کے پاس نیزے نہیں ہیں۔ تو اب اسے منکر کے درجے میں اتار کر تاکید والا کلام کیا اور کہا" ان بنی عمک ..." کہ بے شک تیرے چچا کے بیٹوں کے پاس نیزے ہیں۔

3- تیسری صورت:

مُنکر کو غیر منکر بنایا جاتا ہے جب منکر کے پاس ایسے دلائل ہوں کہ اگر وہ غور کرے تو اپنے انکار سے باز آ جائے اور بغیر تاکید کے کلام کیا جائے۔

مثال: جیسے کوئی اسلام کا منکر ہو تو اسے یہ کہا جائے کہ "اسلام حق ہے"

بغیر تاکید کے کیا جائے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر واضح دلائل ہیں کہ اگر وہ غور کرے تو انکار سے باز آ جائے۔

دوسری مثال: "لَا رَیْبَ فِیہِ" کہ اس میں کوئی شک نہیں۔

سوال نمبر 49:- اس مثال پر وارد ہونے والے اعتراضات مع جوابات کے تحریر کریں۔

اس کو مثال بنانا "کہ منکر کو غیر منکر بنا کر بغیر تاکید کے کلام کرنے والا" یہ مثال بنانا دو وجہوں سے جائز نہیں ہے۔

اعتراض نمبر 1: یہ کہنا کہ اس کتاب میں کوئی بھی شک کرنے والا نہیں۔ یہ کہنا ہی درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں شک کرنے والے تو کثیر ہیں۔ جب کہنا ہی درست نہیں تو مثال بنانا بھی درست نہ ہوگا۔

اعتراض نمبر 2: فصل و وصل کی بحث میں ماتن نے ذکر کیا کہ "لا ریب فیہ" یہ خود تاکید ہے "ذلک الکتاب" کی۔ تو یہ تاکید لفظی ہے اور تکرار کی طرح ہے۔ جیسے زید قائم زید قائم میں ہے تاکید۔ تو جب یہ تاکید ہے تو مقتضی ظاہر کے مطابق ہوا اور تاکید والا کلام ہوا۔ حالانکہ بغیر تاکید والا ہونا چاہیے تھا۔

پہلے اعتراض کا جواب دو طرح سے -

جواب نمبر 1 : یہاں پر منکر کے انکار کو لا انکار بنا دیا گیا - اس وجہ سے کہ ایسے دلائل و شواھد موجود ہیں کہ اگر وہ غور کریں تو انکار سے باز آجائیں - تو پھر تاکید کو چھوڑ دیا - تو اگرچہ کثیر شک کرنے والے ہیں لیکن دلائل کے سبب ان کے انکار کو لا انکار بنا دیا گیا - اور بغیر تاکید کے کلام کیا -

جواب نمبر 2 : شک کی نفی تمام سے اس معنی میں ہے کہ یہ شک کرنے کا محل ہی نہیں ہے - کیونکہ ان کے پاس واضح دلائل ہیں تو اب مناسب نہیں کہ وہ انکار کریں - گویا کہ کہا گیا کہ قرآن ان میں سے ہے کہ مناسب نہیں جس کے متعلق شک کیا جائے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے - لیکن بد بخت پھر بھی انکار کرتے ہیں - تو انکار کا محل نہ ہونے کے سبب بغیر تاکید والا کلام کیا گیا -

دوسرے اعتراض کا جواب:

وہاں پر جو تاکید ہے وہ تاکید معنوی کی منزلہ پر ہے - اور تاکید لفظی میں تو پہلا ' دوسرے کیلئے اور دوسرا پہلے کیلئے تاکید بنتا ہے - لیکن معنوی میں دوسرا پہلے کیلئے ہوتا ہے لیکن پہلا دوسرے کیلئے نہیں - تو یہاں پر معنوی ہے اور تکرار نہیں ہے اس میں - جیسے "اعجبنی زید نفسہ" میں "نفسہ" تکرار نہیں ہے -

تو جب تاکید ~~نہیں~~ و تکرار نہیں تو مقتضی ظاہر کے مطابق بھی نہیں -

سوال نمبر 50 - فان قلت : قد ذکر صاحب المفتاح ... الخ مذکورہ اعتراض مع جواب لکھیں؟

اعتراض : صاحب مفتاح نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مقتضی ظاہر کے خلاف کلام کرنے کو علم بیان میں کنایہ کیا جاتا ہے - اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی شئے کے لازم کو ذکر کرے تاکہ اس کے ملزوم کی طرف ذھن منتقل ہو جائے - تو ثابت کریں یہاں اس کی کیا صورت ہے ؟

جواب : غیر مناسب مقام میں تاکید کے بغیر کلام لانا یہ کنایہ ہے - یعنی مقام تاکید کا مقتضی تھا لیکن غیر مؤکد کلام کیا - اور یہ اس سے تاکید ہے جو متکلم نے حال متحقق / حال ظاہر یعنی انکار کو حال مقدر / حال خفی یعنی غیر انکار کے مرتبہ میں اتارا ہے - اور مقام متحقق کو مقام مقدر یعنی منکر کو غیر منکر کی منزلہ پر اتارنا یہ ملزوم ہے اور اس کو لازم ہے غیر تاکید والا کلام کرنا -

مثال : جیسا کہ منکر اسلام کو کہنا " اسلام حق ہے " اب منکر تھا پھر بھی بغیر تاکید کے کلام کیا تو یہ کنایہ ہوا - اور منکر کو غیر منکر کی منزلہ پر اتارا تو یہ ملزوم اور بغیر تاکید کلام کیا یہ لازم ہوا - لہذا یہ کنایہ ہے -

Date: 08-03-2020

صاحب لباب کی بیان کردہ مثال :-

قول: جھولے میں بچہ اپنی قسمت کے اچھا ہونے کی خبر دیتا ہے کہ
اس پر بزرگی کے آثار روشن دلیل ہیں۔

اس شعر میں دوسرا مصرعہ نیا جملہ ہے۔ جو کہ ایک سوال کا جواب ہے۔ جب
پہلا مصرعہ بولا گیا تو ایک سوال ذہن میں آیا کہ بچہ کیسے بول سکتا ہے
جو دودھ پیتا ہو۔ تو یہاں پر سوال کیا نہیں گیا تو ظاہر کا تقاضا تھا کہ
سوال نہ ہے تو جواب بھی نہ ہو تو یہ مقتضی ظاہر کے خلاف کلام کیا گیا ہے۔
اور غیر سائل کو سائل کی منزل پر اتارنا یہ ملزوم ہے اور جواب دینا لازم ہے۔
"ھکذا اعتبارات النفی" سے کیا مراد ہے؟ اس پر اعتراض مع بھی لکھیں۔
اس سے مطلب یہ ہے کہ جو مقدم اعتبارات گزرے وہ سب اثبات کے تھے تو
اسی طرح نفی میں بھی یہ صورتیں ہوتی ہیں کہ خالی الذہن کو بغیر تاکید
دیگر میں تاکید لانا۔ وغیرہ۔

اعتراض: پیچھے ایک نفی کی مثال "لاریب فیہ" ذکر کی۔ اور پھر کہا
کہ اسی طرح نفی کے اعتبارات ہیں تو یہ کہنا فضول ہے۔ کہ نفی تو پہلے
بھی ہو چکا تو معلوم ہو گیا تھا اس سے۔

Date: ______

جواب: وہاں اس لئے ذکر کی تاکہ تخصیص کا کسی کو وہم نہ ہو جائے
کہ یہ صورتیں صرف اثبات کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے تعمیم کے لئے
ذکر کیا۔

إنَّ کا استعمال کہاں کہاں ہوتا ہے؟

فی طلب متردد یا منکر ہو صرف اسی وقت ہی إنَّ نہیں لایا جاتا۔
بلکہ اور بھی اغراض ہیں۔

1- عبدالقاہر کہتے ہیں کہ جو چیز واقع ہو چکی ہو اور متکلم گمان کرتا
ہو کہ یہ نہیں ہو گی واقع تو اس وقت بھی إنَّ لایا جاتا ہے۔